پاکستان میں دسویں کلاس کے اسلامیات لازمی کے نصاب: ساخت، مواد اور عصر حاضر کے تقاضوں کے تناظر میں تحقیقی جائزہ

A Research Study of the Compulsory Islamic Studies Curriculum for Class 10 in Pakistan: Structure, Content, and Contemporary Relevance

Muhammad Farooq Siddique
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, The Imperial College of Business Studies, Lahore/ Manager Outreach and Engagement, Chaudhry Abdul Khaliq Centre for Contemporary Islamic Sciences (CAKCCIS), Superior University, Lahore
Email: farooq@superior.edu.pk
Dr. Imran Anwer
Assistant Professor, The Imperial College of Business Studies, Lahore

Abstract

This research article provides a comprehensive analytical review of the compulsory Islamic Studies curriculum for Class 10 in Pakistan. The study examines the curriculum’s structure, content, pedagogical components, and alignment with contemporary educational requirements. The curriculum is analyzed across seven key domains: Qur’an and Hadith, Faith and Worship, Seerah, Ethics and Manners, Sources of Guidance in Islam, Societal and Civic Education, and Islamic Teachings in Contemporary Contexts. Each domain is evaluated in terms of learning outcomes (SLOs), teaching methodologies, student engagement activities, and assessment strategies, highlighting the strengths and limitations in addressing modern challenges. Particular attention is given to conceptual clarity, character formation, and integration of Islamic worldview within the curriculum. This study employs a qualitative content analysis method, drawing on primary sources, including the official curriculum documents, and secondary sources from contemporary educational research. The findings suggest that while the curriculum provides a robust foundation in Islamic knowledge, certain areas require enhanced linkage to contemporary social, ethical, and technological contexts. Recommendations are made to improve curricular relevance, critical engagement, and the practical application of Islamic teachings in students’ daily lives.

Keywords: Islamic Studies Curriculum, 10Th Class, Moral and Character Development, Secondary level, Pakistani Society

جماعت دہم کے اسلامیات لازمی کے نصاب کا بنیادی مقصد طلبہ میں صحیح عقائد، عبادات، سیرتِ نبوی ﷺ، اخلاقِ حسنہ، اسلامی تاریخ اور عصرِ حاضر کی اسلامی تقاضوں سے آگاہی پیدا کرنا ہے۔ نصاب تین بڑے پہلوؤں پر مبنی ہے:

1. عقائد و عبادات
2. سیرت النبی ﷺ اور اسلامی تاریخ
3. اخلاق، معاشرت، فقہی احکام اور عصرِ حاضر

ہر سبق کے آغاز میں حاصلاتِ تعلم (SLOs)، درمیان میں قرآنی آیات / احادیث کا ترجمہ، مفہوم، توضیح، اور آخر میں تفصیلی، مختصر اور معروضی مشق شامل ہے۔ ساتھ ہی اساتذہ کی تدریسی رہنمائی اور طلبہ کی سرگرمیاں موجود ہیں۔

یہ پورا نصاب Character Formation + Conceptual Clarity + Islamic Worldview کے امتزاج پر قائم ہے۔

اول: قرآن مجید و حدیثِ نبوی ﷺ

ترجمہ قرآن مجید

مرکزی مواد

منتخب آیات: سورۃ اعراف، سورۃ یونس، سورۃ کہف، سورۃ یوسف، سورۃ مؤمنون، سورۃ زمر، سورۃ شوریٰ[1]

- **موضوعات:**
  - توحید، رسالت، آخرت
  - اخلاقی اصول
  - انبیاء کی دعوت
  - تقویٰ، صبر، شکر، اعمالِ صالحہ

قرآنِ مجید اور حدیثِ نبوی ﷺ کو بنیادی ماخذِ ہدایت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، تاکہ طلبہ کی فکری، اعتقادی اور اخلاقی تشکیل مضبوط بنیادوں پر استوار ہو سکے۔ ترجمۂ قرآن کے ذیل میں سورۃ الاعراف، سورۃ یونس،

سورۃ کہف، سورۃ یوسف، سورۃ المؤمنون، سورۃ الزمر اور سورۃ الشوریٰ کی منتخب آیات کو شامل کیا گیا ہے، جن کے ذریعے توحیدِ باری تعالیٰ، رسالتِ محمدی ﷺ، عقیدۂ آخرت اور جواب دہی کا شعور پیدا کیا جاتا ہے۔ ان آیات کا انتخاب اس انداز سے کیا گیا ہے کہ طلبہ نہ صرف بنیادی عقائد کو سمجھ سکیں بلکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوتی حکمت، اخلاقی اصولوں کی آفاقیت، اور انسانی زندگی میں تقویٰ، صبر، شکر اور اعمالِ صالحہ کی عملی اہمیت سے بھی آگاہ ہوں۔

یہ قرآنی نصوص محض معلوماتی سطح پر نہیں بلکہ تصورِ حیات (Islamic Worldview) کی تشکیل کے لیے استعمال کی گئی ہیں، جہاں آیات کا ترجمہ، مفہوم اور توضیح طلبہ کو فکری ربط (conceptual linkage) فراہم کرتی ہے۔ اسی طرح حدیثِ نبوی ﷺ کو قرآن کی عملی تفسیر کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جس سے سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں اخلاقی اقدار، انفرادی کردار اور اجتماعی ذمہ داریوں کا شعور اجاگر ہوتا ہے۔ یوں یہ حصہ نصاب کے مجموعی مقصد، یعنی Character Formation اور Conceptual Clarity کو مضبوط کرتا ہے اور طلبہ کو ایک باشعور، بااخلاق اور اسلامی فکر رکھنے والا فرد بنانے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

لسانی عناصر

- مشکل الفاظ کے معانی
- تراکیب: (مثلاً عمل صالح، حسنات، بصائر)
- واحد / جمع: آیت—آیات، نبی—انبیاء

مشق

- کم از کم 5MCQs
- 5 مختصر سوالات
- 1–2 طویل سوالات (مثلاً 'قرآن مجید میں صبر و شکر کا موازنہ بیان کریں)

حفاظت و تدوینِ حدیث[2]

موضوع

- حدیث کی تعریف، اقسام، تدوین کے مراحل
- صحابہ و تابعین کا حفظ و روایت کا نظام

نصاب میں حفاظت و تدوینِ حدیث کا باب نہایت متوازن اور تاریخی تسلسل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جس کا آغاز عہدِ رسالت ﷺ سے ہوتا ہے۔ اس دور میں اگرچہ قرآنِ مجید کی حفاظت کو اولین ترجیح حاصل تھی، تاہم حدیثِ نبوی ﷺ کی حفاظت و تدوین بھی مختلف عملی طریقوں سے جاری رہی، جن میں حفظ، تعلیم، عملی تطبیق اور تحریر سب شامل تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے دور میں متعدد تحریری مواد وجود میں آیا، جن میں دعوتی خطوط، بین الاقوامی مکاتیب، معاہدات (جیسے صلحِ حدیبیہ)، امان نامے اور سرکاری دستاویزات شامل ہیں، جو آج تک محفوظ ہیں اور حدیث کے ابتدائی تحریری سرمائے کی واضح دلیل ہیں۔ یہ تمام مواد حدیثِ نبوی ﷺ کے اولین دورِ تدوین کی نمائندگی کرتا ہے، جس سے یہ تصور رد ہوتا ہے کہ حدیث محض زبانی روایت تک محدود تھی۔ عہدِ صحابہؓ میں یہ عمل مزید منظم ہوا اور متعدد صحابہؓ نے ذاتی سطح پر احادیث کے تحریری مجموعے مرتب کیے، جن میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کا صحیفۂ صادقہ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ذاتی نسخے قابلِ ذکر ہیں۔ بعد ازاں، خلافتِ عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں حدیث کی تدوین کو پہلی مرتبہ سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی، جس کے نتیجے میں احادیث کو باقاعدہ جمع اور مدوّن کرنے کا منظم عمل شروع ہوا۔ یہی وہ بنیاد تھی جس پر امام مالکؒ نے موطأ کی تالیف کے ذریعے حدیث کو فقہی و عملی سانچے میں پیش کیا، اور بعد میں محدثینِ ستہ (بخاری، مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) نے اصولِ جرح و تعدیل اور نقدِ اسناد کے ذریعے حدیث کے ذخیرے کو علمی عروج تک پہنچا دیا۔ اس پورے نصابی بیانیے کو قرآنِ مجید کی اس ہدایت سے فکری جواز حاصل ہوتا ہے" وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ"[3] جو رسول ﷺ کی سنت اور حدیث کی شرعی حجیت کو قطعی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ یوں یہ باب طلبہ کو حدیث کی تاریخی، علمی اور تشریعی حیثیت سے آگاہ کرتے ہوئے اسلامی قانون اور فکری روایت میں اس کے مرکزی کردار کو واضح کرتا ہے۔ حدیث کے باب میں مزید دس احادیث ذکر کی گئی ہیں مثلاً" عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ:" لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي[4]."

تحقیقی تجزیہ

- مواد سادہ مگر مستند
- نصاب حدیث کے علمی تناظر کو بنیادی سطح پر درست پیش کرتا ہے
- Chain of Transmission کا تصور بنیادی سطح پر متعارف کرایا گیا ہے

باب دوم: ایمانیات و عبادات

ایمانیات: ملائکہ[5]

- فرشتوں کی حقیقت
- صفات
- ذمہ داریاں

عقیدۂ ملائکہ کو نہایت منظم اور تدریجی انداز میں پیش کیا گیا ہے، جہاں ابتدائی طور پر قرآنِ مجید کی بنیادی ہدایت "يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ[6]" کے ذریعے ایمان بالغیب کی اساس واضح کی جاتی ہے، جس کے ضمن میں فرشتوں پر ایمان ایک مرکزی اعتقادی ستون کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس تمہیدی فریم ورک کے بعد فرشتوں کے لغوی معنی—یعنی "پیغام پہنچانے والا" اور "قوت کے ساتھ مامور مخلوق"—اور اصطلاحی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے کہ ملائکہ نورانی مخلوق ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی بلا چون وچرا تعمیل کرتے ہیں۔ اس کے بعد نصاب فرشتوں کی ذمہ داریوں اور وظائف کی وضاحت کرتا ہے، جن میں کراماً کاتبین کو انسانی اعمال کی نگرانی، منکر و نکیر کو سوالِ قبر، ملک الموت کو قبضِ روح، اور حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں حضرت جبرائیلؑ کے ظہور کا ذکر شامل ہے، جو وحی کے انسانی تناظر میں نزول کی ایک اہم تاریخی مثال ہے۔ بالخصوص حدیثِ جبرائیل[7] کو اس باب میں مرکزی حیثیت دی گئی ہے، کیونکہ یہ حدیث ایمان، اسلام اور احسان کی جامع تعریف فراہم کرتی ہے اور عقائد، عبادات اور اخلاق کو ایک وحدت (integrated framework) میں جوڑ دیتی ہے۔ یوں یہ ابتدائی مباحث محض معلوماتی نہیں بلکہ طلبہ میں عقیدۂ ملائکہ کے ذریعے اسلامی تصورِ کائنات، جواب دہی کے شعور اور اخلاقی ذمہ داری کو راسخ کرنے کا فکری و تربیتی کردار ادا کرتے ہیں۔

آسمانی کتابیں[8]

- تورات، زبور، انجیل، قرآن

وحی، نزول، تحریف

نصاب میں کتبِ سماویہ اور صحائف کا باب ایک واضح اعتقادی تسلسل (doctrinal continuity) کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے، جس کی بنیاد سورۃ الاعلیٰ کی اس آیت پر رکھی گئی ہے "إِنَّ هَـٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ"[9] جو اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہے کہ الٰہی ہدایت ایک مسلسل اور مربوط عمل ہے۔ اسی تمہیدی اصول کے تحت ابتدائی طور پر ان صحائف کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے جو حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت شیثؑ اور حضرت ادریسؑ علیہم السلام پر نازل ہوئے، تاکہ طلبہ میں یہ شعور پیدا ہو کہ تحریری وحی کا تصور صرف بڑی کتابوں تک محدود نہیں بلکہ تاریخِ نبوت میں اس کی مختلف صورتیں موجود رہی

ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تینوں الہامی مذاہب—یہودیت، عیسائیت اور اسلام—کا مختصر مگر جامع ذکر کیا گیا ہے، جس کے ذریعے ابراہیمی روایت کی مشترک اساس کو واضح کیا جاتا ہے۔

نصاب میں ملتِ ابراہیمی کا تصور اور مشرکینِ مکہ کے اس دعوے کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے کہ وہ خود کو ابراہیمی دین کا پیروکار سمجھتے تھے، حالانکہ ان کے عقائد اور اعمال شرک آلود تھے، جو اصل توحیدی روایت سے انحراف کی علامت تھے۔ اس کے بعد چار بڑی آسمانی کتابوں کا باقاعدہ تعارف شامل ہے، جہاں تورات کا نزول حضرت موسیٰؑ پر، زبور کا حضرت داؤدؑ پر، اور انجیل کا حضرت عیسیٰؑ پر ہونا بیان کیا گیا ہے، ساتھ ہی حضرت عیسیٰؑ کے القابات خصوصاً مسیح اور کلمۃ اللہ کو قرآن کے فکری تناظر میں واضح کیا گیا ہے۔ بالآخر قرآنِ مجید کو آخری اور محفوظ کتاب کے طور پر پیش کرتے ہوئے اس حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے کہ قرآن نے سابقہ شریعتوں کے وقتی احکام کو منسوخ کر کے ایک جامع، آفاقی اور دائمی شریعت عطا کی، تاہم اس کے باوجود تمام کتبِ سماویہ میں مشترک تین بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کو برقرار رکھا۔ اسی تناظر میں ایک مسلمان کے لیے تمام آسمانی کتابوں پر اجمالی ایمان کی ضرورت کو عقیدۂ اسلامی کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے، جو اسلامی تصورِ ایمان کی وسعت اور توازن کو ظاہر کرتا ہے۔

عقیدہ آخرت:

نصاب میں عقیدۂ آخرت کو اسلامی تصورِ ایمان کا ایک بنیادی ستون قرار دیتے ہوئے اس کی بنیاد سورۃ البقرۃ کی آیت "وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ[10]" پر رکھی گئی ہے، جو آخرت پر یقین کو محض نظری عقیدہ نہیں بلکہ شعوری اور وجدانی یقین کے طور پر پیش کرتی ہے۔ اس اعتقادی تصور کو مزید تقویت سورۃ الروم کی آیت "وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ[11]" کے ذریعے دی گئی ہے، جہاں منکرینِ آخرت کے شبہات کا عقلی اور فطری انداز میں رد کیا گیا ہے اور دوبارہ زندگی کی قدرتِ الٰہی کو پہلی تخلیق کی مثال سے واضح کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نصاب عالمِ برزخ کے تصور کو پیش کرتا ہے، جس کے لیے سورۃ المؤمنون کی آیت "وَمِنْ وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ[12]" کو بنیاد بنایا گیا ہے، جس سے موت اور قیامت کے درمیانی مرحلے کی حقیقت ثابت ہوتی ہے۔ اس قرآنی بیان کو نبی اکرم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کے ذریعے مزید مستحکم کیا گیا ہے، جہاں قبر کے سوال، نعمت اور عذاب کا ذکر ملتا ہے۔

اسی تسلسل میں حشر و نشر، حساب و کتاب، اور مقامِ محمود کا ذکر آتا ہے، جسے رسولِ اکرم ﷺ کے لیے ایک امتیازی شرف قرار دیا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ شفاعتِ کبریٰ کے عقیدے کو عدل و رحمتِ الٰہی کے باہمی

توازن کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مزید بر آں، حوضِ کوثر، میزانِ اعمال، جنت اور جہنم جیسے اخروی مراحل کو نہایت جامع انداز میں شامل کیا گیا ہے، تاکہ طلبہ میں آخرت کے عملی اثرات —یعنی جواب دہی، اخلاقی ذمہ داری اور اعمال کی اصلاح— کا شعور پیدا ہو۔ یوں عقیدۂ آخرت کا یہ نصابی بیان محض مابعد الموت تصورات تک محدود نہیں رہتا بلکہ انسانی کردار سازی اور اسلامی تصورِ حیات کی تکمیل کا ذریعہ بن جاتا ہے۔[13]

عقیدۂ آخرت کے عقلی و سائنسی دلائل:

عقیدۂ آخرت محض ایک مابعد الطبیعی تصور نہیں بلکہ ایک عقلی، اخلاقی اور کونیاتی ضرورت ہے۔ عقلِ انسانی، اگر تعصب سے بالاتر ہو کر کائنات، انسان اور اخلاقی نظام پر غور کرے، تو آخرت کا تصور ایک منطقی نتیجے کے طور پر سامنے آتا ہے۔ سب سے پہلا عقلی دلیل عدلِ مطلق کا تقاضا ہے۔ دنیا میں بے شمار مظلوم ایسے ہیں جو انصاف پائے بغیر مر جاتے ہیں، اور بہت سے ظالم ایسے ہیں جو کسی ظاہری گرفت کے بغیر دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اگر حیاتِ انسانی کا اختتام محض موت پر ہو، تو عدلِ مطلق کا تصور بے معنی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایک ایسی زندگی ہو جہاں مکمل اور حتمی انصاف قائم ہو، اور یہی تصور آخرت کہلاتا ہے۔ قرآن مجید اسی عقلی نکتے کو یوں بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو بے مقصد نہیں پیدا کرتا، بلکہ ہر عمل کا حساب لازم ہے۔

دوسرا اہم عقلی دلیل انسانی فطرت میں بقا کی خواہش ہے۔ ہر انسان کے اندر ہمیشہ زندہ رہنے اور فنا سے بچنے کی جبلّی خواہش پائی جاتی ہے۔ فلسفۂ فطرت (Philosophy of Nature) کے مطابق کسی بھی فطری میلان کا وجود اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ اس کی تکمیل کا کوئی خارجی امکان موجود ہے۔ جیسے بھوک کا تقاضا خوراک اور پیاس کا تقاضا پانی ہے، اسی طرح بقا کی فطری خواہش اس بات کی علامت ہے کہ انسانی وجود موت کے بعد بھی کسی نہ کسی شکل میں بر قرار رہتا ہے۔ امام غزالی اس نکتے کو انسانی فطرت اور روح کی غیر فانی حیثیت سے جوڑتے ہیں۔

تیسری عقلی دلیل کائنات کی تخلیق اور دوبارہ تخلیق کا سائنسی امکان ہے۔ جدید سائنس، خصوصاً کاسمولوجی (Cosmology) اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ کائنات کا ایک آغاز ہے (Big Bang Theory)۔ اگر مادہ پہلی بار عدم سے وجود میں آسکتا ہے تو عقل اس بات کو ناممکن نہیں سمجھتی کہ وہ دوبارہ بھی وجود میں آسکے۔ قرآن مجید اسی عقلی استدلال کو سورۃ الروم میں پیش کرتا ہے کہ پہلی تخلیق دوسری تخلیق سے

زیادہ مشکل نہیں۔ یہ دلیل سائنسی فکر کے بھی عین مطابق ہے، کیونکہ جدید فزکس میں Matter Conservation اور Reconfiguration جیسے تصورات موجود ہیں۔

چوتھی دلیل اخلاقی نظام (Moral Order) کا بقا سے تعلق ہے۔ اگر آخرت نہ ہو تو اخلاقی اقدار محض سماجی معاہدے بن کر رہ جاتی ہیں جن کی کوئی حتمی حیثیت نہیں۔ نیکی اور بدی کے درمیان فرق، قربانی، ایثار اور حق پسندی جیسے اوصاف تبھی بامعنی بنتے ہیں جب انسان کو یہ یقین ہو کہ اس کے اعمال کا کوئی دائمی نتیجہ نکلے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے اخلاقی فلسفی، جیسے Immanuel Kant ، بھی اخلاقی قانون کی تکمیل کے لیے آخرت کے تصور کو عقلی طور پر ضروری قرار دیتے ہیں۔

پانچویں دلیل انسانی شعور اور روح کا غیر مادی پہلو ہے۔ جدید نیورو سائنس اگرچہ دماغ کے افعال کو بیان کرتی ہے، لیکن شعور (Consciousness) ، ارادہ (Will) اور اخلاقی ذمہ داری (Moral Responsibility) جیسے مظاہر کو محض مادّی کیمیاوی تعاملات سے مکمل طور پر واضح نہیں کر سکی۔ یہ خلا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان کی حقیقت محض جسم تک محدود نہیں بلکہ روحانی بُعد رکھتی ہے، اور یہی روح آخرت کے امکان کو عقلی بنیاد فراہم کرتی ہے۔

یوں عقیدۂ آخرت نہ صرف وحیِ الٰہی پر مبنی ہے بلکہ عقلِ سلیم، سائنسی مشاہدے اور اخلاقی شعور تینوں اس کے حق میں گواہی دیتے ہیں، اور یہی جامعیت اسلامی عقیدے کو عصرِ حاضر میں فکری طور پر مضبوط بناتی ہے۔

عبادات: زکوٰۃ

- فرضیت
- نصاب
- سماجی و اقتصادی حکمت
- تجزیہ: معاشرتی عدل اور معاشی تقسیم کے اسلامی اصولوں کو بنیادی سطح پر سمجھایا گیا۔

حج اور قربانی

- ارکان
- حکمت
- اجتماعِ امت کا تصور

زکوٰۃ اسلامی عبادات میں سے ایک بنیادی ستون ہے جس کی فرضیت قرآن و سنت کی روشنی میں واضح ہے۔ اس کے ساتھ نصاب مقرر ہے تاکہ صرف اہل اور معین مال دار افراد پر یہ فریضہ لازم ہو۔ زکوٰۃ کا سماجی و اقتصادی مقصد معاشرت میں عدل قائم کرنا، امیر اور غریب کے درمیان اقتصادی توازن پیدا کرنا اور دولت کے مسلسل گردش کے ذریعے غربت کا سدباب ہے۔ نصابِ جماعت دہم میں زکوٰۃ کے تجزیے کے دوران طلبہ کو یہ سمجھایا جاتا ہے کہ یہ عبادت صرف مالی عمل نہیں بلکہ ایک معاشرتی اصول بھی ہے جو اسلامی اقتصادی فلسفے کو عملی شکل دیتا ہے۔

حج اور قربانی:

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے اور اس کے ارکان واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ حج کی حکمت میں عبادت کے ساتھ ساتھ روحانی تزکیہ، صبر و برداشت اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی شامل ہے۔ قربانی کا تصور انسانی فطرت میں ایثار اور اللہ کی رضا کے لیے نفسی قربانی کے مظاہر کو اجاگر کرتا ہے۔ اجتماعی سطح پر حج اجتماع امت کا مظہر ہے اس حوالے سے نصاب میں حج مبرور کی اہمیت کے حوالے سے حدیث ذکر کی گئی ہے مثلاً " عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ , قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" الْحَجَّةُ الْمَبْرُورَةُ لَيْسَ لَهَا جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ، وَالْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا."[14] جہاں مسلمان دنیا کے مختلف گوشوں سے اللہ کے گھر کی زیارت کے لیے یکجا ہوتے ہیں، جو اتحاد، مساوات اور بھائی چارے کے اسلامی اصولوں کی عملی عکاسی کرتا ہے۔[15]

باب سوم: سیرت النبی ﷺ

عہدِ نبوی کے ماہ و سال (مدنی دور)

غزوہ تبوک

غزوہِ تبوک سن 9 ہجری میں واقع ہوا اور یہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا آخری بڑا عسکری فیصلہ تھا، جو مدینہ سے تقریباً 685 کلو میٹر دور واقع علاقے تبوک کی طرف بلند پایہ فوجی مہم تھی۔ تبوک دراصل ایک چشمے (spring) کا نام تھا، اسی لیے جنگ کا نام غزوۂ تبوک پڑا۔

یہ مہم اس لیے اہم تھی کیونکہ رومی سلطنت اور ان کے حلیف قبائل — خصوصاً بنو غسان وغیرہ — کی جانب سے مسلمانوں پر ممکنہ خطرہ بڑھ رہا تھا، اور اس خطرے کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو تیار کیا اور لشکر جمع کیا۔

حدیثِ مغازی میں حضرت عثمان بن عفانؓ کا تعاون بخوبی منظرِ عام پر آتا ہے جہاں انہوں نے اپنے مال کو فوج کی تیاری کے لیے پیش کیا۔

مسلمانوں نے شدید گرمی، پانی کی قلت، مالی مشکلات اور طویل سفر جیسی سختیوں کا مقابلہ کیا، اس لیے اس لشکر کو جَيْشُ الْعُسْرَةِ یعنی "مشکلوں کا لشکر" بھی کہا جاتا ہے، جو قرآن کی آیت سَاعَةِ الْعُسْرَةِ کی روح سے منسوب ہے۔

غزوہِ تبوک کے دوران متعدد قبائل و افراد نے صلح و امان نامے طلب کیے، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے تحریری طور پر پیش کیے۔ بعض صحابہؓ مثلاً حضرت وہشلہ بن اسقعؓ نے بھی اس لشکر میں شمولیت کے لیے اپنی پوری استطاعت پیش کی تاکہ اسلام کی خدمت کر سکیں۔

اسی وقت منافقین کا چہرہ واضح ہو گیا، جنہوں نے اس مہم میں سستی و جھجک دکھائی، جبکہ دوسرے صحابہؓ نے پوری روحِ اخلاص کے ساتھ تعاون کیا۔

مقامِ صحابہؓ و ان کے کردار

صحابہؓ میں سیدنا عمر بن الخطابؓ کی حکمت، مالی تقدّم، اور سرکاری اندازِ قیادت نمایاں ہے جس نے مسلمانوں کی تیاری میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اسی طرح عبد الرحمن بن عوفؓ، سیدنا عاصم بن عدیؓ اور ابو قیلؓ نے بھی سخاوت و تعاون کا بہترین نمونہ پیش کیا، جیسے روایت میں بیان ہوا ہے۔[16]

خواتین صحابیات میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور سیدہ ام سنان اسلمیہؓ جیسی بزرگ خواتین نے بھی اپنے زیورات، ہار، انگوٹھی، جھمکے، اور کپڑے قربانی کے طور پر پیش کیے، جو ایمان و ایثار کی روشن مثال ہیں۔

خاص واقعات

حضرت کعب بن مالکؓ، ہلال بن امیہؓ، اور مرارہ بن ربیعہؓ جیسے وہ صحابہ جنہوں نے بیجا تاخیر کی، ان کے تعلق سے قرآن میں بھی نزول ہوا اور معافی کے بعد اللہ کے فضل سے ان کی پاداش میں مغفرت ہوئی، جیسا کہ امام بخاری نے ایک طویل حدیث ذکر کی ہے[17]

حجۃ الوداع

سن 10 ہجری، ہفتہ 26 ذوالقعدہ کو رسول اللہ ﷺ نے نمازِ ظہر کے بعد مدینہ منورہ سے حج کے لیے روانگی اختیار فرمائی۔ یہ سفر دراصل امت کے لیے عملی، فکری اور تشریعی رہنمائی کا آخری جامع مظہر تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ کثیر تعداد میں صحابہ کرامؓ شریک ہوئے، اور یہ قافلہ میقات ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ

کی طرف روانہ ہوا۔ مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد 9 ذوالحجہ کو آپ ﷺ میدانِ عرفات تشریف لائے، جہاں نمازِ ظہر وعصر جمع کرکے ادا فرمائیں اور پھر تاریخِ اسلام کا عظیم ترین خطبہ، خطبۂ حجۃ الوداع، ارشاد فرمایا۔

اس خطبے میں آپ ﷺ نے انسانی جان ومال کی حرمت، نسلی وقبائلی تفاخر کی نفی، عورتوں کے حقوق، امانت وعدل، سود کی حرمت اور اسلامی اخوت جیسے بنیادی اصولوں کو نہایت جامع انداز میں بیان فرمایا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۃ المائدہ کی آیت نازل ہوئی" الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي [18]" جس سے دینِ اسلام کی تکمیل اور شریعت کے اتمام کا اعلان ہوا۔ مفسرین اور محدثین کے نزدیک یہ آیت شریعتِ اسلامیہ کے اختتامی مرحلے کی نمائندہ ہے اور اسی وجہ سے حجۃ الوداع کو اسلامی تاریخ میں خصوصی مقام حاصل ہے۔[19]

واپسی کے سفر میں جب قافلہ غدیر خم کے مقام پر پہنچا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک معروف مقام ہے تو رسول اللہ ﷺ نے وہاں قیام فرمایا۔ اسی موقع پر آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی فضیلت بیان فرمائی، جو یمن سے فرائض کی ادائیگی کے بعد آپ ﷺ سے آملے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے مجمع میں ارشاد فرمایا" زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ" [20]یعنی جس کا میں مولا ہوں، علیؓ بھی اس کے مولا ہیں یوں واقعۂ غدیر خم، سیرتِ نبوی ﷺ میں اہلِ بیت کی عظمت اور باہمی اخوت کے اصول کو واضح کرتا ہے۔

وصالِ نبوی ﷺ:

فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد، ماہِ صفر 11 ہجری کے آخری ایام میں رسول اللہ ﷺ کی طبیعت ناساز ہونا شروع ہوئی۔ ابتدائی طور پر آپ ﷺ نے ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے گھر قیام فرمایا، مگر جب مرض میں شدت پیدا ہوئی تو آپ ﷺ نے ازواجِ مطہراتؓ سے اجازت طلب کی کہ علاج کی سہولت کے لیے ایک ہی جگہ قیام فرمایا جائے۔ تمام ازواجؓ کی رضامندی سے آپ ﷺ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرۂ مبارک میں منتقل ہوگئے، جہاں آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام بسر فرمائے۔

مرض کے بڑھنے کے ساتھ آپ ﷺ نے امت کی دینی واجتماعی رہنمائی کو مقدم رکھا اور نماز کی امامت حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سپرد فرمائی، جو اس بات کی علامت تھی کہ اجتماعی نظم اور دینی قیادت میں نماز کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وہ موقع ہے جسے محدثین اور سیرت نگار حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت اور استحقاقِ قیادت پر ایک مضبوط دلیل قرار دیتے ہیں۔

ان ایام میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراؓ کو بلایا اور ان کے کان میں دو مرتبہ راز کی بات فرمائی۔ پہلی مرتبہ سن کر وہ رونے لگیں، اور دوسری مرتبہ سن کر مسکرا اٹھیں۔ بعد ازاں حضرت فاطمہؓ نے وضاحت کی کہ پہلی بات آپ ﷺ کی قربِ وفات سے متعلق تھی[21] جبکہ دوسری بشارت یہ تھی کہ اہلِ بیت میں سب سے پہلے وہی آپ ﷺ سے آملیں گی۔

اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو شفقت سے اپنے قریب فرمایا، ان کے لیے دعا کی اور امت کو اہلِ بیت سے محبت و حسنِ سلوک کی تلقین فرمائی۔ آخری وصایات میں آپ ﷺ نے بالخصوص نماز کی پابندی، غلاموں اور کمزوروں کے ساتھ حسنِ سلوک، اور تقویٰ پر زور دیا، جو آپ ﷺ کے اصلاحی مشن کا خلاصہ ہیں۔

بالآخر پیر کے دن، چاشت کے وقت (12 ربیع الاول 11 ہجری) رسول اللہ ﷺ اس دارِ فانی سے رخصت فرما گئے۔ وصال کے بعد آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کو مدینہ منورہ کے پانی سے غسل دیا گیا، جس میں بیری کے پتے ڈال کر اسے نیم گرم کیا گیا۔ غسل کی سعادت حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت عباسؓ، فضل بن عباسؓ، قثم بن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ اور غلام شقرانؓ کو حاصل ہوئی۔

تدفین کے وقت آپ ﷺ کو اسی مقام پر سپردِ خاک کیا گیا جہاں آپ ﷺ کا وصال ہوا تھا، یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا حجرۂ مبارک، جو بعد ازاں روضۂ رسول ﷺ کہلایا اور تاریخِ اسلام کا مقدس ترین مقام بن گیا۔[22]

اسوہ رسول ﷺ اور ہماری زندگی:

موضوعات:

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ انسانی زندگی کے ہر شعبے کے لیے کامل نمونہ ہے۔ اسوۂ رسول ﷺ کا مطالعہ محض تاریخی واقعات تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک عملی اخلاقی نظام فراہم کرتا ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کی اصلاح کرتا ہے۔ جماعت دہم کے نصاب میں اس باب کا مقصد طلبہ میں ایسے اوصاف پیدا کرنا ہے جو انہیں ایک ذمہ دار، باکردار اور متوازن مسلمان بنائیں۔

صلۂ رحمی کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا اسوہ اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک محض اخلاقی خوبی نہیں بلکہ ایمانی تقاضا ہے۔ آپ ﷺ نے قطع رحمی کو ناپسند فرمایا اور ایسے تعلقات جوڑنے کی تلقین کی جو بظاہر ٹوٹ چکے ہوں۔ یہ تعلیم معاشرتی استحکام، خاندانی ہم آہنگی اور سماجی اعتماد کے فروغ

میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ نصاب میں جس حدیث ک طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ" عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي طَلْحَةَ" أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ، قَالَ أَبُو طَلْحَةَ: أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ، وَبَنِي عَمِّهِ". وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَمَّا نَزَلَتْ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ سورة الشعراء آية 214 جَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَادِي يَا بَنِي فِهْرٍ، يَا بَنِي عَدِيٍّ لِبُطُونِ قُرَيْشٍ. وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: لَمَّا نَزَلَتْ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ سورة الشعراء آية 214، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ."[23] ایک دوسری حدیث اسی موضوع پر بہت اہمیت کی حامل ہے "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:" مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ[24]."

خواتین کے ساتھ حسنِ سلوک نبی کریم ﷺ کی سیرت کا نمایاں پہلو ہے۔ آپ ﷺ نے خواتین کو عزت، احترام اور حقوق عطا کیے اور عملی طور پر گھریلو زندگی میں شفقت، مشاورت اور عدل کا نمونہ پیش فرمایا۔ اسوۂ رسول ﷺ ہمیں سکھاتا ہے کہ خواتین کے ساتھ رویہ کسی معاشرے کی اخلاقی سطح کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید نے خاندانی نظام اور خواتین کے ساتھ حسنِ سلوک کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ سورۃ النساء میں واضح ہدایت دی گئی ہے:

"وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ"[25] عورتوں کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ یہ آیت اس بات کی بنیاد فراہم کرتی ہے کہ اسلام میں خواتین کے ساتھ احترام، عدل اور حسنِ سلوک محض اخلاقی نصیحت نہیں بلکہ شرعی حکم ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بیٹیوں کی پرورش کو جنت کا ذریعہ قرار دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ، وَضَمَّ أَصَابِعَهُ[26]." اور آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں ملا کر دکھائیں۔ یعنی جس نے دو بیٹیوں کی اچھی تربیت کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں، قیامت کے دن وہ رسول اللہ ﷺ کے اتنا قریب ہو گا۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ جو شخص بیٹیوں کے معاملے میں نہ سختی کرے، نہ محرومی برتے اور نہ بیٹوں کو ان پر فوقیت دے، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ یہ تعلیم جاہلی دور کی اس رسمِ قبیحہ کی مکمل نفی ہے جس میں بیٹیوں کو زندہ دفن کیا جاتا تھا۔

سیرتِ نبوی ﷺ میں خواتین کے احترام کا عملی نمونہ بھی واضح طور پر موجود ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب سیدہ فاطمہ زہراءؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ ﷺ ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے، انہیں بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ یہ طرزِ عمل اس بات کی دلیل ہے

کہ اسلام میں بیٹی محض اولاد نہیں بلکہ عزت و شفقت کی مستحق ہستی ہے۔اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ماں کے مقام کو انتہائی بلند قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ السَّلَمِيِّ، أَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَدْتُ أَنْ أَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ أَسْتَشِيرُكَ، فَقَالَ:" هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟" قَالَ: نَعَمْ، قَالَ:" فَالْزَمْهَا، فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلَيْهَا."[27]"

یعنی ماں کی خدمت اور رضا کو جنت کے حصول کا ذریعہ قرار دیا۔ بہنوں اور قریبی خواتین رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک بھی اسی تربیتی نظام کا حصہ ہے؛ روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی رضاعی بہن یا قریبی خواتین کی آمد پر ان کے لیے چادر بچھوا دیتے، جو احترام اور شفقت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یوں اسوۂ رسول ﷺ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ خواتین—چاہے وہ بیٹی ہوں، ماں ہوں، بہن ہوں یا زوجہ اسلامی معاشرے میں عزت، تربیت اور رحمت کا مرکز ہیں، اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک ایک کامل مسلمان کی پہچان ہے۔

تربیتی اسلوب کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ تعلیم نہایت حکیمانہ اور فطرت سے ہم آہنگ تھا۔ آپ ﷺ نصیحت کو نرمی، مثال، عملی نمونے اور تدریج کے اصول پر مبنی رکھتے تھے۔ غلطی پر سرزنش کے بجائے اصلاح، اور تعلیم میں محبت و حکمت کو مقدم رکھتے، جو جدید تعلیمی نظریات سے بھی مکمل ہم آہنگ ہے۔

یوں اسوۂ رسول ﷺ ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے ایک ہمہ گیر رہنما اصول فراہم کرتا ہے جو اخلاقی تربیت، خاندانی نظام اور معاشرتی توازن کو مضبوط بناتا ہے۔

تربیتی اسلوب:

اندازِ تربیت کے باب میں سیرتِ نبوی ﷺ کے متعدد واقعات اس حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا منہج اصلاح حکمت، تدریج، نفسیاتی بصیرت اور رحمت پر مبنی تھا۔ قرآنِ مجید نے آپ ﷺ کے اس اسلوب کو یوں سراہا۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ [28] پس یہ اللہ کی رحمت ہی ہے کہ آپ ان کے لیے نرم خو ہیں، اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے گرد سے منتشر ہو جاتے اسی قرآنی ہدایت کی عملی تفسیر ہمیں اس واقعہ میں ملتی ہے "وعن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: جاء أعرابي فبال في طائفة المسجد، فزجره الناس، فنهاهم النبي صلى الله عليه وآله وسلم، فلما قضى بوله أمر النبي صلى الله عليه وآله وسلم بذنوب من ماء فأهريق عليه. متفق عليه."[29] خود اس اعرابی نے بعد میں اعتراف کیا کہ "میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں! آپ نے

نہ ڈانٹا، نہ برا بھلا کہا بلکہ نرمی سے سمجھایا۔"[3] یہ اسلوبِ تربیت اس اصول کو واضح کرتا ہے کہ اصلاح، تحقیر کے بجائے تکریم اور تعلیم کے ذریعے زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

اسی طرح عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: «خَدَمْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ قَطُّ، وَمَا قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَهُ وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ[30] یہ روایت تربیتی نفسیات کا ایک بنیادی قاعدہ سامنے لاتی ہے کہ مسلسل ملامت شخصیت کو مجروح کرتی ہے، جبکہ اعتماد اور درگزر شخصیت سازی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ مزید برآں، آپ ﷺ مخاطب کے مزاج، جذبات اور فہم کی سطح کو پیشِ نظر رکھتے تھے؛ چنانچہ جب کوئی نیک عمل سرانجام دیتا تو اس کی حوصلہ افزائی فرماتے، اور جب اصلاح کی ضرورت ہوتی تو تدریج اختیار کرتے۔ اسی تدریجی منہج کی روشن مثال" وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ إِلَى الْيَمين قَالَ: «كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟» قَالَ: أَقْضِي بِكِتَابِ اللَّهِ قَالَ: «فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ؟» قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ؟» قَالَ: أَجْتَهِدُ رَأْيِي وَلَا آلُو قَالَ: فَضَرَبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدْرِهِ وَقَالَ: «الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ لِمَا يَرْضَى بِهِ رَسُولُ اللَّهِ "[31] اس جامع طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے کہ سیرتِ نبوی ﷺ کا اندازِ تربیت رحمت، حکمت، نفسیاتی شعور اور تدریج کے اصولوں پر قائم ایک مکمل اور ہمہ گیر تعلیمی ماڈل ہے، جو ہر دور کے مربّین کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔[32]

باب چہارم: اخلاقیات

جماعتِ دہم کے نصاب میں شامل باب نمبر چار (اخلاق و آداب) ایک نہایت اہم اور بنیادی نوعیت کا باب ہے، جس میں اخلاص و تقویٰ، پردہ پوشی، جھوٹ، غیبت، بہتان، جادو، فال اور توہم پرستی جیسے اخلاقی موضوعات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس باب کا مقصد طلبہ میں اخلاقی شعور بیدار کرنا اور اسلامی اقدار کو عملی زندگی سے جوڑنا ہے۔ تاہم تدریسی و تحقیقی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو بعض مقامات پر ترتیب، حوالہ جات اور اسلوب کے حوالے سے بہتری کی گنجائش موجود ہے، جنہیں نمایاں کرنا ضروری ہے تاکہ مواد مزید مؤثر اور معیاری بن سکے۔

مثلاً بعض مقامات پر قرآنی آیات کا حوالہ تو دیا گیا ہے، لیکن مکمل آیت نقل کرنے کے بجائے صرف ترجمہ ذکر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ البینہ آیت نمبر 5 کا حوالہ دیا گیا، مگر اصل آیت درج نہیں کی گئی، حالانکہ اس سے قبل دیگر آیات عربی متن کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں۔ اس عدمِ یکسانیت سے اسلوب میں تسلسل

برقرار نہیں رہتا۔ بہتر یہ تھا کہ یا تو تمام مقامات پر مکمل آیات مع ترجمہ درج کی جاتیں، یا کم از کم ایک ہی معیار کو پورے باب میں برقرار رکھا جاتا تاکہ علمی اور فنی ہم آہنگی قائم رہتی۔

اسی طرح بعض عنوانات کے تحت مثالوں اور دلائل میں توازن پیدا کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کہیں دلائل کی کثرت ہے اور کہیں اختصار حد سے زیادہ ہے، جس سے طلبہ کے فہم میں عدمِ توازن پیدا ہو سکتا ہے۔ اخلاقی موضوعات جیسے غیبت، بہتان اور جھوٹ کے ضمن میں اگر عصرِ حاضر کی عملی مثالیں بھی شامل کر دی جاتیں تو باب کی افادیت مزید بڑھ جاتی۔

مزید بر آں، بعض مقامات پر جملوں کی ترتیب اور الفاظ کی ساخت میں سادگی اور روانی کی گنجائش موجود ہے۔ تعلیمی نصاب میں چونکہ مخاطب دہم جماعت کے طلبہ ہوتے ہیں، اس لیے عبارت کا اسلوب واضح، مربوط اور عمر کے مطابق ہونا چاہیے۔ طویل اور پیچیدہ جملوں کے بجائے مختصر اور جامع جملے زیادہ مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ باب اپنے موضوع کے اعتبار سے نہایت اہم اور مفید ہے، تاہم علمی ترتیب، حوالہ جات کی یکسانیت، اور اسلوب کی سادگی کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر معمولی اصلاحات کر دی جائیں تو یہ باب تدریسی اور تربیتی لحاظ سے مزید جامع اور مؤثر ہو سکتا ہے۔

موضوعات:

اخلاص و تقویٰ:

اخلاص و تقویٰ کے اس باب میں سب سے پہلے "اخلاص" کے معنی و مفہوم کو بیان کیا گیا ہے، جو مناسب ترتیب ہے تاہم اس کے بعد سورۃ البینۃ کی آیت نمبر 5 کا صرف ترجمہ ذکر کیا گیا تھا، جسے علمی تکمیل کے لیے اصل آیت کے ساتھ درج کرنا زیادہ مناسب ہے۔ آیت یوں ہے

"وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ" [33]

اس آیت میں عبادت کی اساس کو "اخلاصِ دین" قرار دے کر واضح کیا گیا ہے کہ خالص نیت ہی دین کی روح ہے۔

اسی ذیل میں حدیث "عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ [34]" کا مختصر حصہ ذکر کیا گیا ہے، جو اخلاص کے مفہوم کو حدیثی بنیاد فراہم کرتا ہے؛ بہتر ہو گا کہ اسے مکمل حوالہ کے ساتھ پیش

کیا جائے تاکہ طلبہ کو اصل ماخذ تک رسائی حاصل ہو۔[2] مزید بر آں سورۃ الحجرات آیت 13 کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، جو تقویٰ کو معیارِ فضیلت قرار دیتی ہے "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ[35]"

یہ آیت اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ نسب، رنگ یا قومیت نہیں بلکہ تقویٰ ہی اللہ کے ہاں اصل قدر و منزلت کا معیار ہے۔

پھر اسوۂ حسنہ سے اخلاص و تقویٰ کی مثالیں ذکر کی گئی ہیں، جن میں رسول اکرم ﷺ کا وہ تاریخی ارشاد نمایاں ہے کہ اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیا جائے تب بھی میں اپنے مشن سے دستبردار نہ ہوں گا۔[4] یہ واقعہ اخلاصِ نیت، استقامت اور تقویٰ کی عملی تصویر پیش کرتا ہے، جس میں مقصد کی پاکیزگی اور دعوتِ حق سے وابستگی ہر دنیوی مصلحت پر غالب دکھائی دیتی ہے۔[36]

پردہ پوشی :

اخلاقیات کے باب میں دوسری اہم ذیلی عنوان "پردہ پوشی" ہے، جس کے تحت سب سے پہلے اس کے لغوی و اصطلاحی معنیٰ کو بیان کیا گیا ہے، جو موضوع کی تفہیم کے لیے ایک مناسب علمی آغاز ہے۔ اس کے بعد سورۃ الحجرات آیت نمبر 12 کا حوالہ دیا گیا ہے، جو معاشرتی اخلاقیات کے باب میں بنیادی نص کی حیثیت رکھتی ہے "وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا"[37] اس آیت میں تجسس اور غیبت سے صراحتاً منع کیا گیا ہے اور فقہی اعتبار سے ان افعال کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے، کیونکہ یہ افراد کی عزت و وقار اور سماجی ہم آہنگی کو مجروح کرتے ہیں۔ پردہ پوشی دراصل اسی قرآنی حکم کا مثبت پہلو ہے جو معاشرے میں حسنِ ظن، احترام اور اصلاحِ احوال کو فروغ دیتا ہے۔ اسی تسلسل میں صحیح بخاری کی یہ حدیث ذکر کی گئی ہے کہ " عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" مَنْ رَأَى عَوْرَةً فَسَتَرَهَا كَانَ كَمَنْ أَحْيَا مَوْءُودَةً[38]."

یہ حدیث پردہ پوشی کے عمل کو محض سماجی مصلحت نہیں بلکہ اخروی اجر و ثواب کے ساتھ مربوط کرتی ہے، جس سے اس کی دینی و اخلاقی اہمیت مزید واضح ہو جاتی ہے۔

مزید بر آں، سیرتِ نبوی ﷺ سے متعدد واقعات نقل کیے گئے ہیں جن میں آپ ﷺ نے افراد کی لغزشوں پر علانیہ گرفت کرنے کے بجائے اصلاح اور پردہ پوشی کا اسلوب اختیار فرمایا۔ یہ طرزِ عمل تربیتی حکمت، رحمت اور اصلاحی بصیرت کی بہترین مثال ہے، جو اسوۂ حسنہ کا نمایاں پہلو ہے۔

آخر میں دورِ حاضر کے جدید میڈیا کا ذکر کرتے ہوئے یہ وضاحت کی گئی ہے کہ موجودہ ذرائع ابلاغ، سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کے زمانے میں پردہ پوشی کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے، کیونکہ معمولی لغزش

بھی لمحوں میں عام ہو کر کسی کی عزتِ نفس کو شدید نقصان پہنچا سکتی ہے۔ لہٰذا نصابی باب میں اس عصری پہلو کو شامل کرنا ایک مثبت امر ہے، البتہ اگر اس کے ساتھ فقہی حوالہ جات اور سیرت کے واقعات کی مستند تخریج بھی شامل کر دی جائے تو اس کی علمی مضبوطی میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔[39]

جھوٹ:

اخلاقیات کے باب میں تیسری اہم قدر "سچائی" ہے، جس کے تحت جھوٹ سے ممانعت اور صدق کے التزام کو نہایت منظم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ابتدا میں سچائی کے لغوی اور اصطلاحی معنی ذکر کیے گئے ہیں، جو مفہوم کی وضاحت کے لیے ضروری تھے۔ بعد ازاں سورۃ الحج آیت نمبر 30 کا حوالہ پیش کیا گیا ہے، جس میں باطل اور جھوٹ سے اجتناب کا واضح حکم موجود ہے" فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ"[40] اس آیت میں "قولِ زور" (جھوٹی بات) سے بچنے کی تاکید کر کے صدق و دیانت کی بنیاد فراہم کی گئی ہے۔

اسی تسلسل میں نبی اکرم ﷺ کی معروف حدیث" وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ . زَادَ مُسْلِمٌ: وَإِنْ صَامَ وَصَلَّى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ . ثُمَّ اتَّفَقَا: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤتمن خَانَ[41] "ذکر کی گئی ہے جو جھوٹ کو نفاق کی علامت قرار دیتی ہے۔ مزید برآں وہ روایت بھی بیان کی گئی ہے جس میں آپ ﷺ سے سوال کیا گیا" وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ سَلِيمٍ أَنَّهُ قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا؟ قَالَ: نعم . فَقيل: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ بَخِيلًا؟ قَالَ: نَعَمْ . فَقِيلَ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا؟ قَالَ: لَا "[42] اس ارشادِ نبوی سے واضح ہوتا ہے کہ کذب ایمان کے مزاج کے منافی ہے اور صدق ایمان کا لازمی وصف ہے۔

باب میں عصرِ حاضر کے تناظر کو بھی شامل کیا گیا ہے، خصوصاً سوشل میڈیا کے بے قابو بہاؤ اور اطلاعات کی غیر مصدقہ ترسیل کے حوالے سے، جہاں جھوٹ، افواہ اور فیک نیوز معاشرتی انتشار کا سبب بنتے ہیں۔ اس عصری ربط نے موضوع کو محض نظری بحث کے بجائے عملی اور سماجی مسئلہ بنا کر پیش کیا ہے، جو نصابی افادیت کو بڑھاتا ہے۔

مزید اہم بات یہ ہے کہ جھوٹ کو "تمام برائیوں کی جڑ" قرار دیتے ہوئے اس کے پانچ نمایاں نقصانات بھی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً اعتماد کا خاتمہ، سماجی بگاڑ، قانونی و اخلاقی نتائج، قلبی سیاہی اور اخروی مواخذہ۔ یہ نکات باب کو استدلالی اور تربیتی دونوں پہلوؤں سے مضبوط بناتے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ مکمل حوالہ جات اور حدیث کی تخریج بھی باقاعدہ درج کر دی جائے تو یہ باب علمی معیار کے اعتبار سے مزید مستحسن اور تحقیقی تقاضوں کے مطابق ہو سکتا ہے۔[43]

غیبت و بہتان:

اخلاقیات کے باب میں چوتھا اہم عنوان "غیبت اور بہتان" ہے، جس میں سب سے پہلے ان دونوں کے مابین بنیادی فرق کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ غیبت سے مراد کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کی ایسی بات بیان کرنا ہے جو اگر اسے معلوم ہو تو اسے ناگوار گزرے، جب کہ بہتان اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ کسی پر وہ عیب لگایا جائے جو اس میں موجود ہی نہ ہو۔ یوں بہتان، غیبت کی نسبت زیادہ شدید اور سنگین جرم ہے، کیونکہ اس میں جھوٹ اور تہمت دونوں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس ضمن میں سورۃ الہمزہ کا حوالہ دیا گیا ہے" وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ"[44] یہ آیت طعن و تشنیع اور عیب جوئی کرنے والوں کے لیے ہلاکت کی وعید سناتی ہے۔ اسی طرح سورۃ الحجرات میں غیبت سے واضح طور پر منع کیا گیا ہے "وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا"[45] اور اسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اس کی قباحت کو انتہائی بلیغ انداز میں واضح کیا گیا ہے۔ یہ ارشاد نہ صرف غیبت بلکہ تجسس اور کردار کشی سے بھی سختی کے ساتھ روکتا ہے۔ مزید برآں ایک اور حدیث میں غیبت کی تعریف خود رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمائی کہ "تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرو جو اسے ناپسند ہو۔

اسی تسلسل میں سورۃ ق کا حوالہ بھی دیا گیا ہے "مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ"[46] یہ آیت انسان کو اس حقیقت کی یاددہانی کراتی ہے کہ ہر لفظ ریکارڈ ہو رہا ہے، لہٰذا زبان کی حفاظت ایمان کا تقاضا ہے۔

باب میں عصر حاضر کے تناظر کو بھی شامل کیا گیا ہے، خصوصاً سوشل میڈیا کے ذریعے کردار کشی، افواہوں کی اشاعت اور ڈیجیٹل بہتان کے بڑھتے ہوئے رجحانات کے حوالے سے۔ اس ربط نے نصابی مواد کو موجودہ سماجی صورتِ حال سے جوڑ کر اسے مزید مؤثر اور عملی بنا دیا ہے۔ اگر ان تمام نصوص کے ساتھ مکمل حوالہ جات اور تخریج کو مزید منظم انداز میں پیش کیا جائے تو یہ باب علمی اور تحقیقی اعتبار سے مزید مضبوط اور معیاری بن سکتا ہے۔[47]

جادو، فال، توہم پرستی:

اخلاقیات کے اس آخری اور پانچویں حصے میں جادو، فال گیری اور توہم پرستی کے موضوع کو عقلی اور شرعی دونوں زاویوں سے زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ ابتدا میں ان باطل تصورات کی تردید کے لیے عقلی استدلال پیش کیا گیا کہ کائنات میں نفع و نقصان کا حقیقی اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا غیر اللہ کی طرف مؤثرِ حقیقی ہونے کا اعتقاد شرعی و عقلی دونوں اعتبار سے باطل ہے۔ اسی مفہوم کو نقلی دلیل کے طور پر سورۃ یونس سے واضح کیا گیا ہے "وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ" [48] یہ آیت

اس عقیدے کی بنیاد فراہم کرتی ہے کہ نفع وضرر کا مالک صرف اللہ ہے، لہٰذا جادو، فال یا توہمات پر اعتماد کرنا توحیدِ خالص کے منافی ہے۔

اسی ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی دو روایات کو بھی شامل کیا گیا ہے جن میں جادو اور بدشگونی کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ مزید برآں جادو کے ضرر سے حفاظت کے لیے وہ حدیث بھی ذکر کی گئی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا کہ "هَاشِمُ بْنُ هَاشِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَامِرَ بْنَ سَعْدٍ، سَمِعْتُ سَعْدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ:" مَنْ تَصَبَّحَ سَبْعَ تَمَرَاتٍ عَجْوَةً لَمْ يَضُرَّهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ.[49]" یہ روایت تدبیر کے ساتھ توکل اور نبوی تعلیمات پر اعتماد کی عملی مثال ہے۔ اسی طرح سیدِ عالم ﷺ کا امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما پر دعا پڑھ کر دم کرنا بھی ذکر کیا گیا ہے عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ:" كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ: أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ , ثُمَّ يَقُولُ: كَانَ أَبُوكُمْ يُعَوِّذُ بِهِمَا إِسْمَاعِيلَ، وَإِسْحَاقَ[50]" یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ شر سے حفاظت کا اصل ذریعہ اللہ کے کلمات اور مشروع اذکار ہیں، نہ کہ توہمات اور غیر شرعی عملیات۔ آخر میں توہم پرستی کے معاشرتی اثرات کو بیان کرتے ہوئے چھ نمایاں برائیوں کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً عقیدہ کی کمزوری، خوف واضطراب کا فروغ، استحصال کا دروازہ کھلنا، سائنسی وفکری جمود، معاشی نقصان اور شرکیہ رجحانات کا پھیلاؤ۔ اس طرح باب نے نہ صرف شرعی نصوص کی روشنی میں موضوع کو واضح کیا بلکہ عصرِ حاضر کے تناظر میں اس کے سماجی نتائج کو بھی اجاگر کیا ہے۔ اگر ان روایات کی مکمل تخریج اور فقہی توضیحات کو مزید منظم انداز میں شامل کر دیا جائے تو یہ حصہ علمی معیار کے اعتبار سے مزید مضبوط اور تحقیقی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو سکتا ہے۔[51]

باب پنجم: حسن معاشرت ومعاملات

موضوعات:

سود کی حرمت:

معاملات ومعاشرت کے بابِ پنجم کی پہلی اور بنیادی ہیڈنگ "سود کی حرمت" ہے۔ سبق میں واضح کیا گیا ہے کہ سود کو عربی میں "ربا" کہا جاتا ہے، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرض دے کر اس پر مشروط اضافہ یا نفع لیا جائے۔ اس تعریف کو نہایت واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے، جو فقہی مباحث کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ فقہی اعتبار سے ربا کو قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس کی حرمت نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ اس ضمن میں سورۃ آل عمران پیش کی گئی ہے "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

تُفْلِحُونَ"[52] اسی طرح سود خوروں کے طرزِ عمل اور اس کے انجام کو بیان کیا گیا ہے "وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا"[53] یہ آیات اس امر کو قطعی طور پر واضح کرتی ہیں کہ تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور دونوں کو خلط ملط کرنا گمراہی ہے۔

سبق میں یہ پہلو بھی اجاگر کیا گیا ہے کہ سود کی حرمت صرف اسلام تک محدود نہیں بلکہ یہودیت، مسیحیت اور دیگر مذاہب میں بھی اسے ناجائز اور ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے، جو اس کی اخلاقی قباحت پر بین المذاہب اتفاق کی علامت ہے۔ مزید بر آں، احادیثِ نبویہ میں سود کے سنگین نتائج بیان کیے گئے ہیں، جن میں سود لینے، دینے، لکھنے اور گواہی دینے والوں پر وعید آئی ہے۔[3] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام معاشی انصاف اور استحصال سے پاک نظامِ معیشت قائم کرنا چاہتا ہے۔

سود کے معاشرتی و اخلاقی نقصانات بھی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً معاشی عدم مساوات، استحصالی نظام کا فروغ، دولت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز اور ہمدردی و ایثار کے جذبے کا خاتمہ۔ ان مباحث کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ معمول بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی مقروض قرض واپس کرنے آتا تو آپ اسے معاف فرما دیتے۔ وجہ پوچھنے پر فرمایا کہ پہلے قرض دینے کا ثواب حاصل کرتا ہوں، پھر معاف کرکے صدقہ کرنے کا اجر بھی پا لیتا ہوں۔ یہ طرزِ عمل اسلامی معاشرت میں رحمت، تعاون اور ایثار کی عملی مثال پیش کرتا ہے، جو سودی ذہنیت کے بالکل برعکس ہے۔ مثلا عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ:" لَمَّا نَزَلَتْ آخِرُ الْبَقَرَةِ، قَرَأَهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فِي الْمَسْجِدِ، ثُمَّ حَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ[54]."

مجموعی طور پر یہ باب قرآنی نصوص، احادیثِ مبارکہ، فقہی تصریحات اور تاریخی مثالوں کے ذریعے حرمتِ سود کو مدلل انداز میں واضح کرتا ہے۔ اگر حوالہ جات کو مکمل تخریج اور تحقیقی ترتیب کے ساتھ پیش کیا جائے تو اس کی علمی قدر مزید مستحکم ہو سکتی ہے۔[55]

اسلامی ریاست :

بابِ پنجم کے اس عنوان نمبر دو میں اسلامی ریاست کے تصور کو علمِ سیاسیات اور اسلامی فکر دونوں زاویوں سے نہایت جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جدید سیاسیات کے مطابق ریاست کے بنیادی اجزاء میں علاقہ، آبادی، قانون اور قوتِ نافذہ شامل ہیں، جب کہ اسلامی تصورِ ریاست ان اجزاء کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ایک اضافی اور بنیادی اصول پر قائم ہے، یعنی حاکمیتِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اسلامی ریاست میں اقتدارِ اعلیٰ کسی فرد، طبقے

یا ادارے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، اور حکمران و ریاستی ادارے اس کے احکام کے نفاذ کے پابند ہوتے ہیں۔ یہی اصول اسلامی ریاست کو محض جغرافیائی یا انتظامی وحدت کے بجائے ایک اخلاقی و دینی نظام بناتا ہے۔

سبق میں مسلم معاشرے کے تین بنیادی اداروں خاندان، مسجد اور مکتب کو ریاستی تشکیل کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ خاندان اخلاقی تربیت اور سماجی استحکام کا ذریعہ ہے، مسجد روحانی و اجتماعی مرکز کی حیثیت رکھتی ہے، جب کہ مکتب علم، شعور اور فکری بالیدگی کا ضامن ہے۔ انہی بنیادوں پر اسلامی ریاست کے رسمی ادارے قائم ہوتے ہیں، جن میں مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ شامل ہیں۔ مزید بر آں، ایوانِ بالا اور ایوانِ زیریں کے تذکرے کے ذریعے مشاورتی نظام (شورائیت) اور قانون سازی کے ارتقائی مراحل کو واضح کیا گیا ہے، جو اسلامی اصولِ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ کی عملی شکل ہیں۔

اسلامی ریاست میں حکمران کے بنیادی فرائض کو قرآن مجید کے ذریعے سے نمایاں کیا گیا ہے

"الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ"[56]

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اسلامی اقتدار کا مقصد محض نظم و نسق نہیں بلکہ عبادات کا قیام، معاشی عدل (زکوٰۃ)، اور اخلاقی اصلاح (امر بالمعروف و نہی عن المنکر) ہے۔

اسی تسلسل میں ایک حدیثِ نبوی ﷺ بھی ذکر کی گئی ہے جس میں حکمران کو رعایا کا ذمہ دار اور جواب دہ قرار دیا گیا ہے، جو اسلامی ریاست میں احتساب اور ذمہ داری کے اصول کو بنیاد فراہم کرتی ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ اور خلافتِ راشدہ میں عدالتی نظام کی عملی مثالیں بھی اس باب کا اہم حصہ ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ کو قاضی کے اختیارات دیے گئے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی ریاست میں عدلیہ آزاد، باوقار اور شرعی اصولوں کی پابند ہوتی ہے۔ اسی طرح اصحابِ صفہ اور دارِ ارقم جیسے ادارے تربیت، تعلیم اور ریاستی قیادت کی فکری تیاری کے مراکز تھے، جنہوں نے اسلامی ریاست کے انسانی وسائل کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔

مجموعی طور پر یہ عنوان اسلامی ریاست کے نظری، ادارہ جاتی اور عملی پہلوؤں کو ہم آہنگ انداز میں پیش کرتی ہے۔ تاہم، اگر ان مباحث میں تاریخی مصادر اور فقہی تشریحات کے مزید حوالہ جات شامل کر دیے جائیں تو یہ باب تحقیقی و تدریسی سطح پر مزید مضبوط اور جامع بن سکتا ہے۔[57]

جہاد فی سبیل اللہ: بابِ پنجم کے اس عنوان میں "جہاد" کے لغوی اور اصطلاحی معنی نہایت وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں۔ لغوی طور پر جہاد کا مفہوم جدوجہد اور بھرپور کوشش کے ہیں، جب کہ اصطلاحِ شریعت میں اس سے

مراد اللہ کی رضا کے لیے دین کی سربلندی اور ظلم کے ازالے کی جدوجہد ہے، جس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ بالخصوص یہ نکتہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ مدینہ منورہ میں جہاد (بالقتال) کی فرضیت کا حکم نازل ہوا، جس کے لیے درج ذیل آیت کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے

"كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ"[58] اسی طرح سورۃ التوبہ میں ایمان، ہجرت اور جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے:"الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ... أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ"[59] مزید برآں سورۃ التوبہ آیت 111 میں قتال فی سبیل اللہ کو ایک عظیم روحانی معاہدہ (میثاق) کے طور پر بیان کیا گیا ہے"إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم... يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ"[60]

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ جہاد کا تصور نظم و ضبط، قربانی اور اعلیٰ اخلاقی مقاصد سے وابستہ ہے، نہ کہ محض جنگ و قتال سے۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشاداتِ مبارکہ کے ذریعے بھی جہاد کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ جہاد صرف قتال تک محدود نہیں بلکہ اس کی مختلف اقسام ہیں، جیسے جہاد بالنفس، جہاد بالمال اور جہاد باللسان۔ یوں جہاد ایک ہمہ جہت اخلاقی و عملی جدوجہد کا نام ہے، جو فرد اور معاشرے دونوں کی اصلاح کا ذریعہ بنتی ہے۔

عصرِ حاضر کے تناظر میں 2018ء میں دہشت گردی کے خلاف علمائے کرام کی جانب سے جاری کردہ متفقہ فتویٰ "پیغامِ پاکستان" کا بطورِ خاص ذکر کیا گیا ہے، جس پر تقریباً 1800 علماء کے دستخط موجود ہیں اور جسے ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد نے کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس دستاویز میں واضح کیا گیا ہے کہ مسلح جہاد کا اختیار ریاست کے پاس ہے، اور کسی فرد یا گروہ کو خود ساختہ کارروائی کا حق حاصل نہیں۔ اسے نصاب میں بطور ریاستی بیانیہ شامل کرنا ایک اہم اور بروقت اقدام ہے، جو دینی تعلیم کو قومی و آئینی تناظر سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ اسی تسلسل میں "فساد فی الارض" کو دہشت گردی کے ساتھ مربوط کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ یہ قرآن کی رو سے سنگین جرم اور کبیرہ گناہ ہے (المائدۃ 5:33)، اور اس کا جہاد کے مقدس تصور سے کوئی تعلق نہیں۔ یوں یہ باب جہاد کے صحیح، متوازن اور ریاستی نظم کے تابع تصور کو اجاگر کرتے ہوئے انتہاپسندی اور دہشت گردی کی واضح تردید کرتا ہے، جو علمی اور نصابی دونوں حوالوں سے قابلِ تحسین امر ہے۔[61]

باب ششم: ہدایت کے سرچشمے و مشاہیر اسلام

امام زید بن علیؒ: باب ششم میں "ہدایت کے چشمے اور مشاہیر اسلام" کے عنوان کے تحت جلیل القدر شخصیاتِ اسلام کی حیات و خدمات کو نہایت منظم اور تحقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے حضرت امام زید بن علیؒ

(شہید 122ھ) کا ذکر کیا گیا ہے، جو ائمۂ اہلِ بیت میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کا مکمل شجرۂ نسب حضرت امام حسینؓ سے ملتا ہے، اور علمی، فقہی اور دعوتی میدان میں ان کی خدمات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ فقہِ زیدیہ کی نسبت بھی انہی کی طرف کی جاتی ہے، جو اجتہادی بصیرت اور اہلِ بیت کی علمی روایت کا تسلسل ہے۔ ان کی شہادت اور مزار کا ذکر کرتے ہوئے ان کی استقامت، ظلم کے خلاف قیام اور حق گوئی کو بطورِ خاص نمایاں کیا گیا ہے، جو انہیں تاریخِ اسلام میں ایک باوقار مجاہد و فقیہ کے طور پر متعارف کراتا ہے۔[62]

اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ (متوفیٰ 43ھ) کے حالاتِ زندگی کو جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کے قبولِ اسلام، عسکری بصیرت اور سیاسی حکمت کو نمایاں کرتے ہوئے فتحِ مصر (20ھ)، بابلیون اور اسکندریہ کی فتوحات میں ان کے کلیدی کردار کو ذکر کیا گیا ہے۔[2] ان کی انتظامی صلاحیتوں اور سفارتی حکمتِ عملی نے اسلامی ریاست کے استحکام میں اہم کردار ادا کیا۔ حدیث کے باب میں بھی ان کا مقام موجود ہے اور ان سے متعدد احادیث مروی ہیں، جن کا شمار معتبر کتبِ حدیث میں ہوتا ہے۔[63]

تیسری شخصیت حضرت جابر بن عبد اللہؓ (متوفیٰ 78ھ) کی ہے، جو جلیل القدر صحابی اور کثیر الروایہ محدث تھے۔ ان کا نسب، غزوات میں شرکت اور علمی مقام تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ان سے تقریباً1540 احادیث مروی ہیں، جو حدیثی ذخیرے میں ان کے بلند مقام کی دلیل ہیں۔[64]

اس کے بعد حضرت انس بن مالکؓ (متوفیٰ 93ھ)، جو "خادمِ رسول" کے لقب سے معروف ہیں، کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ آپؓ نے دس برس تک نبی اکرم ﷺ کی خدمت کی اور بے شمار احادیث روایت کیں (تقریباً2286 مرویات)۔[5] نبی اکرم ﷺ نے ان کے لیے خصوصی دعا فرمائی "عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، قَالَ: قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَسٌ خَادِمُكَ، قَالَ:" اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ."ا[65]سی دعا کی برکت سے ان کی اولاد اور پوتے پوتیوں کی تعداد سو سے متجاوز بیان کی جاتی ہے۔ 93ھ میں ان کے وصال کا ذکر کرتے ہوئے ان کی طویل عمر اور علمی خدمات کو نمایاں کیا گیا ہے۔[66]

مجموعی طور پر یہ باب مشاہیر اسلام کی سوانح کو محض تاریخی بیان تک محدود نہیں رکھتا بلکہ ان کے علمی مقام، دعوتی کردار اور عملی خدمات کو اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ وہ "ہدایت کے چشمے" کے مصداق بن کر سامنے آتے ہیں۔ اگر ہر شخصیت کے حوالہ جات کو مزید مفصل تخریج اور مستند مصادر کے ساتھ منظم کیا جائے تو یہ باب اعلیٰ تحقیقی معیار پر مزید فائز ہو سکتا ہے۔

صحابیات : باب ششم میں صحابیاتِ رسول ﷺ کی عظیم شخصیات کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے، جنہوں نے اسلامی تاریخ میں ایمان، قربانی اور وفاداری کی لازوال مثالیں قائم کیں۔

حضرت اُمِّ ایمنؓ (برکہ حبشیہ)

حضرت اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا کا اصل نام برکہ تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی حضرت عبد اللہؓ کے گھرانے سے وابستہ تھیں اور بچپن ہی سے حضور ﷺ کی پرورش و نگہداشت کا شرف حاصل رہا۔ آپ ﷺ انہیں اپنی والدہ کے قائم مقام سمجھتے۔ ان کا نکاح پہلے عبید بن زید خزرجیؓ سے ہوا جن سے حضرت ایمن پیدا ہوئے۔ بعد ازاں ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہؓ سے ہوا، جن سے حضرت اسامہ بن زیدؓ پیدا ہوئے۔ اس طرح وہ ایک عظیم مجاہد و قائد کی والدہ بنیں۔ انہوں نے غزوات میں بھی شرکت کی اور متعدد احادیث ان سے مروی ہیں۔ ان کی پوری زندگی وفاداری، خدمتِ رسول اور استقامت کی روشن مثال ہے۔

حضرت اُمِّ عمارہؓ (نسیبہ بنت کعب)

حضرت اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا (نسیبہ بنت کعب) ان باہمت خواتین میں شامل تھیں جنہوں نے **بیعتِ عقبہ ثانیہ** میں شرکت کی، جہاں 73 مردوں اور چند خواتین نے اسلام پر بیعت کی۔[2]

غزوۂ اُحد میں آپؓ نے غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں تلوار اور تیر کے ساتھ مردوں کے شانہ بشانہ لڑیں۔ تاریخ میں آتا ہے کہ اس دن ان کے جسم پر متعدد زخم آئے، مگر وہ ثابت قدم رہیں۔ اس کے علاوہ بیعتِ رضوان، فتح مکہ اور دیگر معرکوں میں بھی شریک رہیں۔ جنگِ یمامہ میں بھی انہوں نے مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد میں حصہ لیا، جہاں ان کا ایک ہاتھ زخمی ہوا۔ 13 ہجری میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔[3]

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ (ذاتُ النطاقین)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ جلیل القدر صحابیہ اور حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن تھیں۔ ان کا نکاح حضرت زبیر بن عوامؓ سے ہوا، جو سابقین الاولین میں سے تھے۔ ہجرتِ مدینہ کے موقع پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے لیے غارِ ثور تک کھانا پہنچایا اور اپنے کمر بند کو دو حصوں میں چاک کر کے توشہ باندھا، جس پر انہیں **"ذاتُ النطاقین"** (دو کمر بندوں والی) کا لقب ملا۔ آپؓ سے تقریباً 56 احادیث مروی ہیں۔ ان کی زندگی صبر، استقامت اور حق گوئی کی مثال ہے۔ 73 ہجری میں تقریباً سو سال کی عمر میں ان کا وصال ہوا۔

مجموعی طور پر یہ باب صحابیات کی حیاتِ طیبہ کو اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ وہ اسلامی معاشرے میں خواتین کے فعال، باوقار اور مؤثر کردار کو اجاگر کرتا ہے۔ ان شخصیات کی زندگیاں ایمان، شجاعت، خدمت اور قربانی کا عملی نمونہ ہیں، جو آج کے معاشرے کے لیے بھی مشعلِ راہ ہیں۔[67]

صوفیا کرام:

باب ششم کے آخری حصے میں چند جلیل القدر صوفیاء کرام کے حالاتِ زندگی اور روحانی خدمات کو بھی شامل کیا گیا ہے، تاکہ طلبہ کو اسلامی تہذیب کے روحانی پہلو سے روشناس کرایا جاسکے۔

حضرت سید عبداللطیف قادریؒ (المعروف امام بری سرکار)

حضرت سید عبداللطیف قادری رحمۃ اللہ علیہ، جو عوام میں **امام بری سرکار** کے نام سے معروف ہیں، 1026ھ میں ضلع چکوال کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ دینی علوم کے لیے مختلف علمی مراکز کا سفر کیا۔ روایت کے مطابق آپ نے نجف اشرف سمیت کشمیر، بدخشاں، بخارا، مشہد، بغداد، دمشق اور مکہ مکرمہ میں تحصیلِ علم کی۔ آپ کی زندگی زہد، تقویٰ اور دعوت و ارشاد سے عبارت تھی۔ 1170ھ کے قریب نورپور شاہ (اسلام آباد کے نواح) میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں آپ کا مزار مرجعِ خلائق ہے۔ آپ کی تعلیمات کا بنیادی محور اتباعِ سنت، تزکیۂ نفس اور خدمتِ خلق تھا۔

حضرت نورالدین عبدالرحمن جامیؒ:

حضرت عبدالرحمن جامیؒ (817–898ھ) فارسی ادب اور تصوف کی عظیم شخصیت تھے۔ آپ 30 شعبان 817ھ کو خراسان (موجودہ افغانستان کے شہر جام / ہرات کے قریب) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ **خواجہ عبیداللہ احرارؒ** کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ فارسی زبان کے نامور شاعر، مفسر اور صوفی تھے۔ ان کی تصانیف میں نفحات الانس، یوسف و زلیخا اور دیگر مثنویات شامل ہیں۔ آپ کا نعتیہ اور حمدیہ کلام آج بھی زبان زدِ خاص و عام ہے۔ 898ھ میں ہرات (افغانستان) میں وصال فرمایا اور وہیں مدفون ہیں۔ آپ نے تصوف کو علمی اور ادبی دونوں میدانوں میں نئی جہت عطا کی۔

حضرت لال شہباز قلندرؒ:

حضرت لال شہباز قلندرؒ کا اصل نام سید عثمان مروندی تھا۔ آپ 538ھ کے قریب مروند (افغانستان) میں پیدا ہوئے اور بعد ازاں برصغیر میں تشریف لائے۔ کم عمری ہی میں قرآنِ مجید حفظ کر لیا تھا۔ آپ کے والد سید کبیر الدین کا تعلق ایک علمی و روحانی خاندان سے تھا۔

آپ نے سندھ کے شہر سیہون شریف کو اپنا مرکز بنایا، جہاں آپ نے دعوت و اصلاح اور روحانی تربیت کا سلسلہ جاری رکھا۔ 673ھ میں آپ کا وصال ہوا اور وہیں آپ کا مزار مرجعِ عام ہے۔ آپ کی تعلیمات محبت، رواداری اور انسان دوستی پر مبنی تھیں، جس کی جھلک آج بھی سیہون شریف کے روحانی ماحول میں محسوس کی جا سکتی ہے۔[68]

علماو مفکرین :

باب ششم کے اخری حصے میں علماء اور مفکرین کا ذکر ہے جس میں سب سے پہلے حضرت شیخ ابن عربی ان کا ذکر کیا گیا ہے کہ اندلس میں پیدا ہوئے اور پھر کس طریقے سے انہوں نے بیت المقدس مکہ معظمہ بغداد اور خلب اور دمشق میں جا کر مستقل سکونت اختیار کی اور اپ کی معروف کتاب فتوحات دم کیا اور فسوس الحکم بڑی معروف ہوئی اور جبل قاضیون کے قریب اپ نے وفات پائی اور وہیں پر دفن کیے گئے اور 5 س سے زائد تصنیف اپ نے مرتب کی اس کے بعد شاہ عبد العزیز محدث دہلوی جن کا سلسلہ نسل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے اپ سراج الہند کے لقب سے بھی معروف ہوئے اپ 80 سال کی عمر میں دہلی میں ہی فوت ہوئے اور وہیں پر تدفین ہوئی تیسرے ابن رشد ہیں جو کہ اسلامی فلسفہ کی ایک بہت بڑے نام ہیں قرتبہ اندلس کے ایک باعزت گھرانے میں پیدا ہوئے اور مراکش میں اپ کا وصال ہوا ہے اپ کی معروف کتاب بدایۃ المجتہد خاص و عام میں بہت معروف ہے[69]

باب ہفتم: اسلامی تعلیمات اور عصرِ حاضر

مستقبل کی منصوبہ بندی :

باب ہفتم میں سب سے پہلی بحث اسلامی نقطۂ نظر سے مستقبل کی منصوبہ بندی کے موضوع پر کی گئی ہے۔ "مستقبل" سے مراد آنے والا وقت ہے، اور اسلام ایک ایسا دین ہے جو حال کے ساتھ ساتھ مستقبل کی تیاری پر بھی زور دیتا ہے۔ قرآنِ مجید کی سورۂ انفال آیت 60 کو اس ضمن میں بطور دلیل پیش کیا گیا ہے "وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ"[70] اور تم ان کے مقابلے کے لیے جہاں تک ہو سکے قوت تیار رکھو۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام مسلمانوں کو پیشگی تیاری، تدبیر اور منصوبہ بندی کا حکم دیتا ہے۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعۂ قحط کا ذکر بھی کیا گیا ہے، جہاں آپؑ نے مصر میں آنے والے سات سالہ قحط سے نمٹنے کے لیے پہلے سات خوشحالی کے سالوں میں اناج ذخیرہ کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ یہ واقعہ اس بات کی روشن مثال ہے کہ اسلامی تعلیمات میں معاشی اور سماجی منصوبہ بندی کی کتنی اہمیت ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے فرامین کی روشنی میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ وسائل اور نعمتوں کو ضائع کرنا درست نہیں۔ پانی کے اسراف سے منع فرمایا گیا، چاہے دریا کے کنارے ہی وضو کیوں نہ کیا جا رہا ہو۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ[71]. یہ تعلیمات اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلام ماحولیاتی تحفظ اور وسائل کے پائیدار استعمال کی تعلیم دیتا ہے۔

سیرتِ نبوی ﷺ میں عملی منصوبہ بندی کی مثالیں:

غزوۂ خندق

میں دفاعی حکمتِ عملی کے طور پر خندق کھودنے کا مشورہ قبول کرنا ایک اعلیٰ درجے کی عسکری منصوبہ بندی کی مثال ہے۔

صلح حدیبیہ

بظاہر وقتی طور پر مسلمانوں کے لیے مشکل محسوس ہوتی تھی، مگر درحقیقت یہ ایک دور اندیش سیاسی حکمت عملی تھی جس کے نتیجے میں اسلام کو پُر امن طور پر پھیلنے کا موقع ملا۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہر معاملے میں حکمت، صبر اور دور اندیشی کو اختیار فرمایا۔ باب میں اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ آنے والی نسلوں کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی سنتوں پر قائم رہیں۔ جب کوئی قوم تدبر، مشاورت اور مضبوط منصوبہ بندی کے ساتھ فیصلے کرتی ہے تو اس کی اجتماعی زندگی پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

منصوبہ بندی کے سات نمایاں اثرات:

1. وسائل کا بہتر استعمال
2. معاشی استحکام
3. دفاعی مضبوطی
4. سماجی ہم آہنگی
5. ماحولیاتی تحفظ
6. بحرانوں سے نمٹنے کی صلاحیت
7. پائیدار ترقی اور قومی استحکام

اسلامی تہذیب کے امتیازات :

باب کے آخری حصے میں اسلامی تہذیب کی نمایاں خصوصیات اور امتیازات کو بیان کیا گیا ہے۔ ابتدا میں "تہذیب" کے لغوی اور اصطلاحی معنی واضح کیے گئے ہیں۔ لغوی طور پر تہذیب کے معنی ہیں: اصلاح کرنا، سنوارنا، شائستہ بنانا۔

اصطلاحی طور پر تہذیب سے مراد کسی قوم کا وہ اجتماعی نظامِ زندگی ہے جو اس کے عقائد، اقدار، علم، اخلاق، معاشرت، معیشت اور طرزِ فکر پر مشتمل ہو۔ انسانی تاریخ میں مختلف اقوام—جیسے یونان، روم اور دیگر بڑی سلطنتیں—اپنے شاندار ماضی کی بنا پر معروف رہیں، لیکن اسلامی تہذیب اپنی ہمہ گیری، توازن اور روحانیت کی بنیاد پر ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔

اسلامی تہذیب کی نمایاں خصوصیات:

اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیات میں درج ذیل امور بطورِ خاص ذکر کیے گئے ہیں:

توحید پر کامل یقین:

اسلامی تہذیب کی بنیاد عقیدۂ توحید پر قائم ہے، جو انسان کو ہر قسم کی غلامی سے آزاد کر کے صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ بناتی ہے۔

ختمِ نبوت اور محبتِ رسول ﷺ:

نبی کریم ﷺ کو خاتم النبیین ماننا اور آپ ﷺ سے کامل عقیدت و محبت رکھنا اسلامی تہذیب کا بنیادی جز ہے۔

آخرت میں جواب دہی کا تصور:

اسلامی تہذیب انسان کو یہ شعور دیتی ہے کہ ہر عمل کا حساب ہو گا، جس سے فرد اور معاشرہ دونوں میں ذمہ داری پیدا ہوتی ہے۔

انسانی مساوات:

اسلام نے رنگ، نسل اور قومیت کی بنیاد پر امتیاز کو ختم کر کے مساوات کا پیغام دیا۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔

اعلیٰ اخلاقی اقدار:

سچائی، امانت، عدل، صبر، عفو و درگزر اور دیانت داری اسلامی تہذیب کے بنیادی اخلاقی ستون ہیں۔

انسانی اخوت اور کشادہ ظرفی:

اسلامی تہذیب بھائی چارے، رواداری اور وسعتِ قلبی کی تعلیم دیتی ہے، جس کی مثال مدینہ کی ریاست میں مہاجرین و انصار کے تعلقات سے ملتی ہے۔

امن و سلامتی:

اسلامی تہذیب کا مقصد فساد نہیں بلکہ امن کا قیام ہے۔ "اسلام" ہی کا مادہ "سلم" سے ہے جس کا مطلب سلامتی ہے۔

اسلامی تہذیب میں علم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس حوالے سے سورۂ علق کی پہلی آیت پیش کی گئی ہے

"اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ "[72] پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا یہ پہلی وحی اس بات کا واضح اعلان ہے کہ اسلامی تہذیب کی بنیاد علم پر رکھی گئی ہے۔ باب میں یہ نکتہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب بھی کوئی تہذیب دنیا میں غالب آئی، اس کے پیچھے علم اور عمل دونوں کی قوت موجود تھی۔ صرف نظریہ کافی نہیں ہوتا بلکہ عملی جدوجہد بھی ضروری ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا سنہری دور بھی علم و تحقیق، سائنسی ترقی، عدل و انتظام اور عملی کردار کی وجہ سے قائم ہوا۔ اگر آج مسلمان دوبارہ عروج چاہتے ہیں تو انہیں دوبارہ علم حاصل کرنا ہوگا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔[73]

نصابی اجزاء، حاصلات تعلم اور مجموعی تنقیدی جائزہ:

شامل نصابی اجزا(Common Pedagogical Components)

جماعت دہم کے نصاب میں ہر سبق کو منظم انداز میں تیار کیا گیا ہے تاکہ طلبہ میں علم، عمل اور کردار کی ہم آہنگی پیدا کی جاسکے۔ نصاب میں درج ذیل اجزا بنیادی حیثیت رکھتے ہیں:

حاصلاتِ تعلم:(SLOs) ہر سبق کے آغاز میں طلبہ کے لیے مہارتیں واضح کی گئی ہیں تاکہ وہ نہ صرف علمی فہم حاصل کریں بلکہ عملی اور اخلاقی پہلوؤں کو بھی سمجھ سکیں۔ یہ Outcome-based Education کے اصول پر مبنی ہے، جو علم + عمل + کردار کو متوازن کرتا ہے۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

گروپ ورک اور مشترکہ بحث

خلاصہ نویسی اور اہم نکات کا تجزیہ

منتخب آیات اور احادیث کے مفاہیم پر غور

کردار ادا کرنا (Role Play) اور عملی مشاہدہ

مشاہداتی رپورٹ کی تیاری

سرگرمیاں برائے اساتذہ:

- Discussion-based pedagogy اور طلبہ کے ساتھ مکالمہ
- Contextual teaching، یعنی نصاب کے مفاہیم کو عصرِ حاضر کے حالات سے جوڑنا
- Assessment rubrics کی تیاری اور استعمال
- Formative feedback کے ذریعے طلبہ کی رہنمائی

ہر باب کے آخر میں مشقیں:

کم از کم 5 MCQs

5 مختصر سوالات

1-2 تفصیلی سوالات

Difficult Words اور Vocabulary

تراکیب / واحد و جمع

سیاق و سباق پر مبنی سوالات

Column Matching وغیرہ

2. مجموعی تنقیدی جائزہ (Overall Critical Evaluation)

فکری و اعتقادی مضبوطی: نصاب جامع اسلامی نظامِ حیات کا خلاصہ فراہم کرتا ہے، جس میں عقائد، عبادات، اخلاق معاشرت، تاریخ، عصرِ حاضر کا منطقی ربط قائم ہے۔ طلبہ نصاب کے ذریعے عملی اور اخلاقی زندگی کے لیے بنیادی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

زبان و اسلوب: نصاب سادہ مگر معیاری زبان میں ترتیب دیا گیا ہے، جو طلبہ کی سطح کے مطابق ہے لیکن تربیتی اور علمی گہرائی کے ساتھ۔ یہ طویل مدتی فہم اور عملی تطبیق کے لیے مؤثر ہے۔

نصابی تنظیم: (Curricular Organization) موضوعاتی ترتیب منطقی ہے اور Outcomes-based structure کی بدولت طلبہ کی کارکردگی اور فہم کو مؤثر انداز میں پرکھا جا سکتا ہے۔ ہر باب اور سبق میں علمی، عملی اور اخلاقی مہارتیں واضح کی گئی ہیں۔

کمزور پہلو:

بعض ابواب میں عصرِ حاضر کے عملی مسائل کی مثالیں محدود ہیں، جس سے نصاب کی عصری تطبیق پر اثر پڑ سکتا ہے۔

Assessment میں Analytical tasks اور تحقیقی سوالات کا اضافہ ہونا چاہیے تاکہ طلبہ کی تنقیدی سوچ اور مسئلہ حل کرنے کی صلاحیت بہتر طور پر ابھرے۔

جامع خلاصہ: تحقیقی نتائج اور سفارشات

اسلامیات لازمی جماعت دہم کا نصاب سات ابواب پر مشتمل ہے، جو طلبہ کو اسلامی عقائد، عبادات، اخلاقیات، سیرتِ نبوی ﷺ، تاریخی واقعات، ہدایتِ اسلامی اور عصر حاضر کے تقاضوں سے آشنا کرتا ہے۔ ہر باب نے اپنے مخصوص موضوعات اور عملی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، تاکہ طلبہ میں علمی، اخلاقی اور روحانی تربیت کا امتزاج پیدا ہو۔

ابواب اور اہم نکات:

1. **باب اول: قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ**
   1. منتخب سورہ جات: اعراف، یونس، کہف، یوسف، مؤمنون، زمر، شوریٰ
   2. موضوعات: توحید، رسالت، آخرت، اخلاقی اصول، انبیاء کی دعوت، تقویٰ، صبر، شکر اور اعمالِ صالحہ
   3. تحقیقی نقطہ: قرآن اور حدیث کی روشنی میں طلبہ کو اصولی فہم اور عملی رہنمائی فراہم کی گئی
2. **باب دوم: ایمانیات اور عبادات:**
   1. عقیدہ توحید، رسالت، آخرت اور فرائضِ دین کی وضاحت
   2. عبادات: نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور قربانی
   3. تحقیقی نقطہ: عبادات کے فلسفہ، سماجی و اقتصادی حکمت اور امت کی اجتماعی مضبوطی پر روشنی
3. **باب سوم: سیرت النبی ﷺ:**
   1. نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے عملی واقعات، اخلاقی درس، مخاطب کی نفسیات اور تدریجی تربیت
   2. تاریخی واقعات: غزوہ تبوک، غزوہ موتہ، صلح حدیبیہ
   3. تحقیقی نقطہ: عملی اور تربیتی اسلوب سے اخلاقی اور اجتماعی اصولوں کی وضاحت

باب چہارم: اخلاق و آداب:

1. اہم موضوعات: اخلاص، تقویٰ، پردہ پوشی، سچائی، غیبت، بہتان، جادو، فال اور توہم پرستی
2. قرآن وحدیث کی دلائل کے ساتھ عملی مثالیں اور عصر حاضر کے حوالے
3. تحقیقی نقطہ: اخلاقی اصولوں کی عصری زندگی میں تطبیق

4. **باب پنجم: معاملات و معاشرت:**

1. موضوعات: سود کی حرمت، اسلامی ریاست، ریاستی ادارے، جہاد
2. فقہی اور اخلاقی اصولوں کی وضاحت، عصری چیلنجز اور متفقہ فتوے جیسے پیغامِ پاکستان
3. تحقیقی نقطہ: اسلامی معاشرت اور ریاستی اصولوں کی عملی اہمیت

5. **باب ششم: ہدایت کا چشمہ اور مشاہیری اسلام:**

1. صحابہ کرام، صحابیات، صوفیائے کرام اور ان کے علمی و روحانی کردار
2. تاریخی شجرہ، علمی خدمات، علمی و فقہی مرویات
3. تحقیقی نقطہ: علم، اخلاق اور روحانیت کا امتزاج

6. **باب ہفتم: اسلامی تعلیمات اور عصر حاضر کے تقاضے:**

1. مستقبل کی منصوبہ بندی، وسائل کا تحفظ، قومی و بین الاقوامی منصوبہ بندی
2. اسلامی تہذیب کے امتیازات: توحید، اخلاق، مساوات، علم کی اہمیت، انسانی حقوق
3. تحقیقی نقطہ: عصری چیلنجز میں اسلامی تعلیمات کی عملی تطبیق

تحقیقی نتائج:

1. نصاب دہم طلبہ کو ایک ہمہ گیر اور متوازن اسلامی تعلیم فراہم کرتا ہے جو عقیدہ، عبادات، اخلاق اور اجتماعی زندگی کو یکجا کرتا ہے۔
2. اسلامی تعلیمات کا عصری زندگی میں اطلاق ممکن ہے، بشرطیکہ طلبہ نصاب کی رہنمائی اور عملی مثالوں کو سمجھیں۔
3. سیرتِ نبوی ﷺ اور صحابیات کے واقعات اخلاقی تربیت اور اجتماعی اقدار کے عملی نمونہ فراہم کرتے ہیں۔
4. اسلامی معاشرت میں منصوبہ بندی، انصاف، علم اور روحانیت کی اہمیت تاریخی شواہد سے واضح ہے۔
5. اسلامی تہذیب کے امتیازات اور اخلاقی اصول انسانی مساوات، امن و سلامتی اور علم کی بنیاد پر معاشرتی ترقی کی ضمانت دیتے ہیں۔

سفارشات:

1. نصاب میں قرآن و حدیث کی تشریح اور حوالہ جات کو زیادہ نمایاں کیا جائے تاکہ طلبہ کے علمی اور تحقیقی معیار میں اضافہ ہو۔
2. عملی واقعات، سیرت اور صحابیات کی کہانیاں طلبہ کے تربیتی اثر کو بڑھانے کے لیے مزید مثالوں کے ساتھ شامل کی جائیں۔
3. اخلاقی اور معاشرتی موضوعات میں عصری میڈیا اور سماجی رویوں کو مطابقت کے ساتھ شامل کیا جائے۔
4. اسلامی ریاست، جہاد، سود اور دیگر معاشرتی اصولوں کی عملی تطبیق پر زور دیا جائے تاکہ طلبہ فہمی اور عملی قابلیت حاصل کریں۔
5. اسلامی تہذیب اور تعلیمات کو عصری چیلنجز سے جوڑ کر نصاب میں شامل کیا جائے تاکہ طلبہ مستقبل کی منصوبہ بندی اور عالمی سطح پر مثبت کردار ادا کر سکیں۔

حواشی

[1] اسلامیات لازمی، برائے جماعت دہم، ص:01، یکساں قومی نصاب 2022، پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

[2] اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:02

[3] القرآن:59:7

[4] ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو ازدی سجستانی، سنن ابی داود، کتاب الأقضية، رقم الحدیث:3580

[5] اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:08

[6] القرآن:2:3

[7] بخاری، محمد بن اسمٰعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الإیمان والإسلام والإحسان وعلم الساعة رقم الحدیث:50

[8] اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:11

[9] القرآن:18:19

[10] القرآن02:04

[11] القرآن30:27

[12] القرآن23:100

[13] اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:15

[14] نسائی، احمد بن شعیب النسائی، سنن نسائی، کتاب مناسک الحج، باب: فضل الحج المبرور، رقم الحدیث:2623

[15] اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:22

[16] اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:26

[17] بخاری، محمد بن اسمٰعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازي، باب حدیث کعب بن مالک(وَقَوْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: {وَعَلَى الثَّلاَثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا.)رقم الحدیث:4418

[18] القرآن: المائدہ:3

[19] اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:30

[20] ترمذی، قاضی ابوعیسی ترمذی، جامع ترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث:3713

[21] ترمذی، قاضی ابوعیسی ترمذی، جامع ترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب باب فضل فاطمة بنت محمد صلی اللہ علیہما وسلم، رقم الحدیث:3872

[22] اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:34

[23] بخاری، محمد بن اسمٰعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الوصایا، باب إذا وقف أو أوصی لأقاربه ومن الأقارب، رقم الحدیث:2752

[24] بخاری، محمد بن اسمٰعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأدب، باب من بسط له في الرزق بصلة الرحم، رقم الحدیث:5985

[25] القرآن، 4:19

[26] قشیری، ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری ، صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الإحسان إلی البنات، رقم الحدیث:2631

[27] نسائی، احمد بن شعیب النسائی ، سنن نسائی، کتاب الجهاد، باب: الرخصة في التخلف لمن له والدة، رقم الحدیث:3106

[28] القرآن 3:159

[29] بخاری، محمد بن اسمٰعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب کتاب الوضوء، باب صب الماء علي البول في المسجد، رقم الحدیث:10

[30] ترمذی، قاضی ابوعیسی ترمذی، جامع ترمذی، شمائل ترمذي، باب ماجاء في خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث:344

[31] تبریزی، محمد بن عبد اللہ، مشکوۃ المصابیح، کتاب الإمارة والقضاء، باب: بعض الوصایا لمعاذ رضی اللہ عنہ عند جعلہ أمیرا، رقم الحدیث:3737

[32] اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:45

33 البینۃ 98:5

34 قشیری، ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری ، صحیح مسلم، کتاب اکتاب الإمارۃ، باب فضل قوله صلی الله علیه وسلم: « إنما الاعمال بالنیة » . وانه یدخل فیه الغزو وغیره من الاعمال، رقم الحدیث: 4927

35 الحجرات 49:13

36 اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص: 49

37 القرآن: 49:12

38 ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو ازدی سجستانی، سنن ابی داود، کتاب آداب، باب في الستر عن المسلم، رقم الحدیث: 4891

39 اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص: 53

40 القرآن: 22:30

41 تبریزی، محمد بن عبد الله، مشکوۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب علامات المنافق، رقم الحدیث: 55

42 ایضا، رقم الحدیث: 4862

43 اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص: 56

44 القرآن: 104:1

45 القرآن: 49:12

46 القرآن: 50:18

47 اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص: 59

48 القرآن: 10:107

49 بخاری، محمد بن اسمعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الطب، باب باب الدواء بالعجوۃ للسحر، رقم الحدیث: 5769

50 ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو ازدی سجستانی، سنن ابی داود، کتاب السنۃ، باب باب في القرآن، رقم الحدیث: 4737

51 اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص: 62

52 القرآن: 3:130

53 القرآن: 2:275

54 بخاری، محمد بن اسمعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب آکل الربا وشاهده وکاتبه، رقم الحدیث: 2084

[55]اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:66

[56]القرآن:22:41

[57]اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:70

[58]القرآن:2:216

[59]القرآن:9:20

[60]القرآن:9:111

[61]اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:74

[62]اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:78

[63]اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:81

[64]اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:84

[65]بخاری، محمد بن اسمعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، باب قول اللہ تعالیٰ:{وصل علیھم}، رقم الحدیث:6334

[66]اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:87

[67]اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:9

[68]اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:94

[69]اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:98

[70]القرآن:8:60

[71]بخاری، محمد بن اسمعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المزارعۃ، باب فضل الزرع والغرس إذا أكل منہ، رقم الحدیث:2320

[72]القرآن:96:1

[73]اسلامیات لازمی، برائے جماعت نہم، ص:105